۱۹۶واں باب

تعمیرِ سیرت کا آخری سبق

۱۱۲: سُوْرَةُ الْحُجُرٰت [۴۹-۲۶:حٰمٓ]

نزولی ترتیب پر ۱۱۲ویں، ۲۶ویں پارے میں سورۃ نمبر ۴۹

وسط ۹ ہجری

- زندگی کے ہر معاملے میں اللہ اور اُس کے رسولؐ کی اطاعت۔
- اہمیت والی خبروں پر یقین اور عملی اقدام سے قبل خبروں کی تصدیق کی جائے۔
- اہلِ ایمان کے دو برسرِ پیکار گروہوں کے درمیان انصاف سے صلح صفائی کرا دو۔
- انسانوں کے درمیان فضیلت بنیاد صرف تقویٰ اور پرہیز گاری ہے
- چھ قطعاً ممنوع اور حرام کام:
  - ایک دوسرے کا مذاق اڑانا،
  - ایک دوسرے پر طعن کرنا،
  - ایک دوسرے کے ایسے نام رکھنا جن سے بُرائی کا یا استہزا کا پہلو نکلتا ہو،
  - بدگمانیاں کرنا،
  - دوسرے کے حالات کی کھوج اور کرید کرنا،
  - لوگوں کے پیٹھ پیچھے ان کی بُرائیاں کرنا، غیبت کرنا۔

باب ۱۹۶

تعمیر سیرت کا آخری سبق

۱۱۲: سُوْرَۃُ الْحُجُرٰت [۴۹-۲۶:حٰمٓ]

مکہ کی وادی میں اللہ کے نبیؐ کو مبعوث ہوئے کم وبیش اکیس برس گزر چکے ہیں۔اللہ کا آخری کلام نجماً نجماً [تھوڑا، تھوڑا، آہستہ آہستہ]اُتر کر اپنی تنزیل کے آخری مرحلے میں داخل ہورہا ہے۔اللہ کے آخری نبیؐ نے قریب، قریب کامیابی سے وہ ٹیم تیار کردی ہے جو اللہ کی جانب سے آپؐ کو تفویض کردہ اعلائے کلمۃ اللہ اور اظہارِ دین کے مشن کو آپؐ کے اس دنیا سے گذر جانے کے بعد آنے والے زمانے میں کامیابی سے لے کر آگے بڑھاسکتی ہے۔صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی یہ ٹیم اپنی تربیت کے آخری مراحل میں ہے، فتح مکہ اور حجۃ الوداع کے ساتھ کام اپنے اختتام کو پہنچ جائے گا۔سورہ بنی اسرائیل کے بعد اخلاقی تربیت کا موضوع متعدد مدنی سورتوں میں ضمنی طور پر زیرِ گفتگو آتا رہا، اب یہ سورہ مبارکہ اخلاقی تربیت پر ایک آخری کامل موضوعاتی خطبہ ہے، جیسا کہ ماضی میں سُوْرَۃُ الْمَعَارِج (سنہ ۴ نبوی)، سُوْرَۃُ الْمُؤْمِنُوْن(سنہ ۵ نبوی)، سُوْرَۃُ الْفُرْقَان (سنہ ۹ نبوی)، سُوْرَۃُ الرَّعْد(سنہ ۱۲ نبوی) اور سُوْرَۃُ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْل (سنہ ۱۲ نبوی) وغیرہم میں یہ موضوع اپنی شان اور جامعیت کے ساتھ آیا تھا۔

زمانی اعتبار سے یہ سورہ مبارکہ کلامُ اللہ کی آخری متفرق تنزیلات پر مشتمل ہے۔چند آیات کے بارے میں تو یقین سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دورِ نبوت کے آخری سے پہلے (second last) برس یعنی ہجرت کے نویں برس میں نازل ہوئی ہیں آیت ۴ بنی تمیم کے بارے میں نازل ہوئی تھی جو ۹ ہجری میں مدینے آیا تھا اور جس کے لوگوں نے آکر ازواج مطہرات کے حجروں کے باہر سے رسول اللہ ﷺ کو اپنے بدّویانہ اطوار کے مطابق چیخ کر پکارنا شروع کر دیا تھا۔اسی طرح متعدد احادیث سے ہم جانتے ہیں کہ اس سورہ کی آیہ مبارکہ نمبر ۶، فتح مکہ (۹ ہجری) کے موقع پر ایمان لانے والے اُمِ کلثوم کے بھائی ولید بن عقبہ کے بارے میں نازل ہوئی تھی جنھوں نے بنی المصطلق کی بابت ایک غیر مصدقہ بات رسول اللہ ﷺ تک پہنچادی تھی۔قیاس کیا جاسکتا ہے کہ دیگر متفرق آیات بھی مدنی زندگی کے آخری دور میں آگے پیچھے نازل ہوئی ہوں گی۔یہی مفسرین کا خیال ہے کہ اِن متفرق آیات کو ایک سورہ میں مضامین کی یکسانیت کے ساتھ جمع کر دیا گیا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کو اپنی مختصر حیاتِ مستعار کے آخری مصروف ترین تین برسوں میں بنیادی کام تلاوتِ آیات اور تزکیہ نفوس کے ساتھ اور بھی بے شمار اہم کام درپیش تھے، جن میں کاروبارِ سلطنت خصوصاً خارجہ، دفاعی و توسیعاتی اور معاشی نمو وَ ہمواری اور استحکام کے امور کو دیکھنا اور پھر جماعت کے اندر تربیتی اور تنظیمی استحکام کا کام جس میں کلمہ گو منافقین سے نبٹنا بھی ایک کام تھا۔۸ ہجری کے مختلف اوقات میں اخلاقی اور تربیتی امور پر آیات جستہ جستہ نازل ہوتی رہیں جو قرآن نازل کرنے والے خالق و مالک کی ہدایت پر رسول اللہ ﷺ نے یکجا سُوۡرَةُ الۡحُجُرٰت میں رکھوائیں۔ ابتدائی پانچ آیتوں میں اہلِ ایمان کو سلیقہ کی تین اہم باتیں سکھائی گئی ہیں جو انہیں اللہ اور اس کے رسولؐ کے معاملے میں ملحوظ رکھنی ہیں۔

۱. کسی بھی معاملے میں فیصلہ کرنے سے قبل دیکھ لو کہ اللہ اور اس کے رسولؐ کی کیا رہنمائی ہے؟ ہرگز ہرگز زندگی کے کسی بھی معاملے میں اللہ اور اُس کے رسولؐ سے آگے نہ بڑھو اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ [۱]

۲. اپنی آواز نبی کی آواز سے بلند نہ کرو، نہ اُن کے ساتھ اونچی آواز سے بات کیا کرو جس انداز سے آپس میں ایک دوسرے سے کرتے ہو، مبادا تمہارے اعمال برباد جائیں اور تمھیں پتا نہ چلے، جن کے دلوں کو اللہ نے تقویٰ کے لیے منتخب کر لیا ہے وہ لوگ رسول اللہ ﷺ سے آہستہ گفتگو کرتے ہیں، [آیت-۲-۳]

۳. رسول اللہ ﷺ کے گھر کے باہر کھڑے ہو کر آوازیں لگانے والے اکثر ناسمجھ ہیں۔ آپؐ کے باہر آنے تک اُن لوگوں کے لیے انتظار کر لینا بہتر ہوتا۔ [آیت-۴-۵]

اِن تین ہدایات میں سے نمبر ۲ تو بہت واضح ہے، پہلی اور تیسری ہدایت کے بارے میں کچھ مختصر وضاحت آئندہ سطور میں دی جا رہی ہے۔

اللہ اور اس کے رسولؐ کے آگے پیش قدمی: جنگِ خندق سے کچھ پہلے جب زینب بنتِ جحشؓ نے زید بن حارثہ کے لیے رسول اللہ ﷺ کے بھیجے ہوئے نکاح کے پیام کو پسند نہیں کیا اور رد کر دیا تھا، اُس موقع پر نازل ہونے والی آیہ مبارکہ (احزاب-۳۶) میں کہا گیا تھا کہ جس معاملہ کا فیصلہ اللہ اور اس کے رسولؐ نے کر دیا ہو اس کے بارے میں کسی مومن کو خود کوئی فیصلہ کرنے کا اختیار باقی نہیں رہتا۔ اتنی بات جب مسلم معاشرے کے اذہان میں جذب ہو گئی تو ایک قدم آگے اب کہا جا رہا ہے کہ اہلِ ایمان کو اپنے تمام معاملات میں خود کوئی فیصلہ کرنا ہی نہیں چاہیے جب تک کہ یہ نہ دیکھ لیا جائے کہ اللہ کی کتاب اور اس کے رسولؐ کی سنت میں اس کام یا اس قسم کے

کام کے متعلق کیا ہدایات موجود ہیں، جہاں تک اختیار موجود ہو اختیار استعمال کیا جاسکتا ہے اور جہاں پابندی ہو وہاں اُس کام سے رک جانا ضروری ہے۔ کہا گیا: يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ یعنی اے ایمان والو کسی بھی معاملے کا فیصلہ کرتے وقت اللہ اور اس کے رسولؐ کے آگے نہ بڑھو۔

جب معاذ بن جبلؓ کو یمن کے لیے قاضی (جسٹس) بنا کر بھیجا جا رہا تھا تو آپؐ نے اُن سے پوچھا کہ تم ''کس چیز کے مطابق فیصلے کرو گے؟'' انہوں نے عرض کیا ''کتاب اللہ کے مطابق''۔ آپؐ پوچھا'' اگر کتاب اللہ میں کسی معاملے کا حکم نہ ملے تو کس چیز کی طرف رجوع کرو گے؟'' انہوں نے کہا'' سنت رسول اللہ ﷺ کی طرف'' آپؐ نے فرمایا '' اگر اس میں بھی کچھ نہ ملے؟'' انہوں نے عرض کیا ''پھر میں خود اجتہاد کروں گا''۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے ان کے سینے پر ہاتھ رکھ کر فرمایا '' اس اللہ کا شکر ہے جس نے اپنے رسولؐ کے نمایندے کو وہ طریقہ اختیار کرنے کی توفیق بخشی جو اس کے رسولؐ کو پسند ہے''۔

ہر چھوٹے بڑے کام میں اسلام کی رہنمائی کیوں کر: بظاہر ہر معاملے میں قرآن وسنّتِ رسول اللہ ﷺ کو دیکھنا ایک مشکل امر معلوم ہوتا ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ ایسا بھی مشکل نہیں، کیوں کہ تمام معاملات میں پابندیاں بہت معمولی سی ہیں اور اختیار کا دائرہ اُن پابندیوں کے بعد لا محدود آزادی عطا کرتا ہے۔ مثلاً یہ نہیں کہا گیا ہے کہ صرف یہ اور وہ چیزیں کھائی جاسکتی ہیں بلکہ حرمت بڑی محدود رکھی گئی ہے اور باقی تمام چیزیں انسان اپنے ذوقِ سلیم سے استعمال کر سکتا ہے۔ تمام معروف چیزیں/امور یعنی وہ جنھیں انسانی فطرت مباح جانتی ہے مباح ہیں اور تمام چیزیں جنھیں ذوقِ سلیم بُرا جانتا ہے، منکر ہیں جیسے جھوٹ، چوری، جعل سازی، قتل و ظلم، حق تلفی وغیرہ وغیرہ۔ تاہم مسلمانوں کی زندگی میں نماز میں سنا جانے والا اور گھر میں پابندی سے پڑھا جانے والا قرآن، خطباتِ جمعہ اور مسلم معاشرے کی ڈیڑھ ہزار سالہ زندگی گزارنے کی شان دار روایات ایک عام مسلمان کو کاموں کو انجام دیتے ہوئے ایک، ایک مرحلے پر یاد دلاتی اور بتاتی ہیں کہ اس مرحلے میں اسلام کا [اللہ اور اُس کے رسولؐ کا/قرآن وسنت کا] کیا تقاضہ ہے۔ اس طرح مسلم معاشرے کا ہر فرد جانتا ہے کہ زندگی کے ہر معاملے میں اُسے کیا روّیہ اختیار کرنا چاہیے اور کیا نہیں، اور جب کبھی مشکل درپیش آجاتی ہے تو اہلِ علم سے رہ نمائی حاصل کیا جانا بھی مسلم معاشرے کی روایات میں سے ایک روایت ہے۔ مسلم سوسائٹی میں کسی فرد یا کسی ادارے کو اللہ اور اُس کے رسولؐ کے آگے پیش قدمی کی سرِ مو (بال برابر) اجازت نہیں خواہ وہ مسجد و مدرسہ ہو یا حکومت، فوج ہو یا عدلیہ، پارلیمنٹ ہو یا میونسپل کارپوریشن، وزارتِ خارجہ ہو یا وزارتِ قانون وغیرہ، وغیرہ۔

مصروف اور ذمہ دار لوگوں سے ملاقات کا پروٹوکول: آج سے ڈیڑھ ہزار برس قبل کے غیر منظم معاشرے میں لوگوں کا ادب و آداب یعنی مختلف پروٹوکولز کا جاننا بہت عام نہیں تھا، جب کہ آج بھی سارے اسکولز، مدارس اور سوشل میڈیا، سیاسی سرگرمیوں اور خطبات جمعہ میں تعلیم تلقین کے باوجود عام لوگ ہی نہیں مدرسوں اور یونیورسٹیوں کے فارغ، بیوروکریٹس اور انجینیئرز کے لوگ تک بہت سارے عمدہ پروٹوکولز اور مناسب طور طریقوں سے ناآشنا ہی رہ جاتے ہیں۔ جس زمانے کا ہم تذکرہ کر رہے ہیں، یعنی دورِ نبوت کے آخری دو تین برس، اُس میں بڑی تعداد میں صحرائے عرب سے بدّو قبولِ اسلام کے لیے اور اسلام سے واقفیت کے لیے مدینے آرہے تھے اور اِن آنے والوں میں ایسے ناتربیت یافتہ بھی ہوتے تھے جو آپؐ سے ملاقات کے لیے آتے تو حجروں کے باہر ہی سے آپؐ کو بغیر کسی ادب آداب کے آپؐ کا نام لے کر زور، زور سے پکارتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس معاملہ میں یہ ہدایت دی کہ آنے والے آپؐ کو اگر گھر سے باہر موجود نہ پائیں تو صبر کے ساتھ بیٹھ کر آپؐ کے باہر آنے (اور متوجہ ہونے) کا انتظار کریں۔

مسلم معاشرے کے لیے ہدایات

اللہ اور اُس کے رسولؐ کے حقوق کے بعد سورہ مبارکہ حُجُرٰت کی اگلی آیات میں مسلم قیادت سمیت مسلم معاشرے کی انفرادی اور اجتماعی اخلاقی تیاری کے لیے دس امور کی ہدایات دی گئی ہیں۔

۱۔ **اقدام سے قبل خبروں کی تصدیق:** اس ضمن میں تین آیات (۶تا۸) میں یہ بات سمجھائی گئی ہے کہ محض سنی سنائی باتوں، مختلف ذرائع سے آنے والی یا متعین ذمہ داروں [انجینیئرز کے آفیسرز اور مخبروں] کی لائی ہوئی اطلاعات پر اہم معاملات کا فیصلہ اور دیے ہوئے بیانات پر یقین کر کے کسی کارروائی کا آغاز کر دینا اُس وقت تک مناسب نہیں ہے جب تک خبر کی کامل تصدیق نہ ہو جائے۔

واقعہ یہ ہوا کہ ولید بن عقبہ بن ابی معیط کو قبیلہ بنی المصطلق بھیجا گیا تاکہ ان لوگوں سے زکوٰۃ وصول کرلائیں۔ یہ کسی وجہ سے ڈر گئے اور اہل قبیلہ سے ملے بغیر مدینہ واپس آکر آپؐ کو ایک بالکل ہی غلط خبر سُنادی کہ بنی المصطلق نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا ہے اور وہ مجھے قتل کرنا چاہتے تھے۔ آپؐ نے ارادہ کیا کہ ان لوگوں کی سرکوبی کے لیے ایک فوجی دستہ روانہ کر دیں۔ اسی دوران سردارِ قبیلہ خود ایک وفد لے کر نبی کریم ﷺ کی خدمت میں پہنچ گئے اور اُنہوں نے عرض کیا کہ اللہ کی قسم ہم نے تو ولید کو دیکھا تک نہیں ہم ایمان پر قائم ہیں اور ادائے زکوٰۃ سے ہمیں ہرگز انکار نہیں۔ [اگلے دو صفحات پر سُوْرَۃُ الْحُجُرٰت کی پہلی سات آیات ملاحظہ فرمائیے]

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۝۱ یٰۤاَیُّہَا
الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تُقَدِّمُوۡا بَیۡنَ یَدَیِ اللّٰہِ وَ
رَسُوۡلِہٖ وَ اتَّقُوا اللّٰہَ ؕ اِنَّ اللّٰہَ سَمِیۡعٌ
عَلِیۡمٌ ۝۱ یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَرۡفَعُوۡۤا
اَصۡوَاتَکُمۡ فَوۡقَ صَوۡتِ النَّبِیِّ وَ لَا تَجۡہَرُوۡا
لَہٗ بِالۡقَوۡلِ کَجَہۡرِ بَعۡضِکُمۡ لِبَعۡضٍ اَنۡ
تَحۡبَطَ اَعۡمَالُکُمۡ وَ اَنۡتُمۡ لَا تَشۡعُرُوۡنَ
۝۲ اِنَّ الَّذِیۡنَ یَغُضُّوۡنَ اَصۡوَاتَہُمۡ عِنۡدَ
رَسُوۡلِ اللّٰہِ اُولٰٓئِکَ الَّذِیۡنَ امۡتَحَنَ اللّٰہُ
قُلُوۡبَہُمۡ لِلتَّقۡوٰی ؕ لَہُمۡ مَّغۡفِرَۃٌ وَّ اَجۡرٌ
عَظِیۡمٌ ۝۳ اِنَّ الَّذِیۡنَ یُنَادُوۡنَکَ مِنۡ وَّرَآءِ
الۡحُجُرٰتِ اَکۡثَرُہُمۡ لَا یَعۡقِلُوۡنَ ۝۴ وَ لَوۡ
اَنَّہُمۡ صَبَرُوۡا حَتّٰی تَخۡرُجَ اِلَیۡہِمۡ لَکَانَ
خَیۡرًا لَّہُمۡ ؕ وَ اللّٰہُ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ۝۵ یٰۤاَیُّہَا
الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِنۡ جَآءَکُمۡ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ
فَتَبَیَّنُوۡۤا اَنۡ تُصِیۡبُوۡا قَوۡمًۢا بِجَہَالَۃٍ
فَتُصۡبِحُوۡا عَلٰی مَا فَعَلۡتُمۡ نٰدِمِیۡنَ ۝۶ وَ
اعۡلَمُوۡۤا اَنَّ فِیۡکُمۡ رَسُوۡلَ اللّٰہِ ؕ لَوۡ
یُطِیۡعُکُمۡ فِیۡ کَثِیۡرٍ مِّنَ الۡاَمۡرِ لَعَنِتُّمۡ وَ
لٰکِنَّ اللّٰہَ حَبَّبَ اِلَیۡکُمُ الۡاِیۡمَانَ وَ زَیَّنَہٗ
فِیۡ قُلُوۡبِکُمۡ وَ کَرَّہَ اِلَیۡکُمُ الۡکُفۡرَ وَ
الۡفُسُوۡقَ وَ الۡعِصۡیَانَ ؕ اُولٰٓئِکَ ہُمُ
الرّٰشِدُوۡنَ ۝۷ فَضۡلًا مِّنَ اللّٰہِ وَ نِعۡمَۃً ؕ

اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسولؐ کے آگے نہ بڑھو (اللہ اور اُس کے رسولؐ کی بات کے مقابلے میں اپنی بات پر اصرار نہ کرو) اور اللہ سے ڈرتے رہو یقیناً اللہ سننے اور جاننے والا ہے۔اے ایمان لانے والو، اپنی آواز نبی کی آواز سے بلند نہ کرو، اور نہ اُن کے ساتھ اونچی آواز سے بات کیا کرو جس انداز سے آپس میں ایک دوسرے سے کرتے ہو، مبادا تمہارے اعمال برباد جائیں اور تمھیں پتا نہ چلے۔جو لوگ اللہ کے رسولؐ سے گفتگو کرتے ہوئے اپنی آواز آہستہ رکھتے ہیں یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے تقویٰ کے لیے منتخب کر لیا ہے۔، ان کے لیے مغفرت اور اجرِ عظیم ہے۔اے نبی، جو لوگ تمھارے لیے حجروں کے باہر آوازیں لگاتے ہیں ان میں سے اکثر نا سمجھ ہیں۔اگر وہ تمہارے از خود باہر آنے تک انتظار کر لیتے تو یہ اُن کے لیے بہتر ہوتا، اللہ معاف فرمانے والا اور رحیم ہے۔اے ایمان والو، اگر کوئی اہم خبر کسی فاسق کی جانب سے آئے تو تحقیق کر لیا کرو، کہیں ایسا نہ ہو کہ تم کسی گروہ کو نادانی میں نقصان پہنچا بیٹھو اور پھر اپنے کیے پر پچھتاتے پھرو! یہ بات اچھی طرح خیال میں رکھو کہ تمہارے درمیان اللہ کا رسولؐ موجود ہے۔اگر وہ سارے ہی (اکثر) معاملات میں تمہاری بات مان لیا کرے تو تم مشکل میں پڑ جاؤ گے۔لیکن اللہ نے تمہارے دلوں میں ایمان کی محبت بھر دی، اور اپنے رسولؐ کو تمہارے دلوں میں بسا دیا، اور کفر و فسق اور نافرمانی کی کراہیت تمھیں عطا کی۔ایسے لوگ اللہ کے فضل و احسان سے راہ یاب ہوئے۔

اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسولؐ سے آگے نہ بڑھو (اللہ اور اُس کے رسولؐ کی بات کے مقابلے میں اپنی بات پر اصرار نہ کرو) اور اللہ سے ڈرتے رہو یقیناً اللہ سننے اور جاننے والا ہے۔اے ایمان لانے والو، اپنی آواز نبیؐ کی آواز سے بلند نہ کرو، اور نہ اُن کے ساتھ اونچی آواز میں بات کیا کرو جس انداز سے آپس میں ایک دوسرے سے کرتے ہو، مبادا تمہارے نیک قیمتی اعمال اس گستاخی کے جرم میں برباد کردیے جائیں اور تمھیں پتا تک نہ چلے۔جو لوگ اللہ کے رسولؐ سے گفتگو کرتے ہوئے بصدِ ادب اپنی آواز آہستہ رکھتے ہیں یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے تقویٰ کی نمو اور بار آوری کے لیے منتخب کرلیا ہے۔ان کے لیے اللہ کے پاس مغفرت اور اجرِ عظیم ہے۔اے نبیؐ، جو لوگ تمھارے لیے حجروں کے باہر زور زور سے آوازیں لگاتے ہیں ان میں سے اکثر کندہ ہائے ناتراش، ناسمجھ ہیں۔اگر وہ مہذب انداز اختیار کرتے اور تمہارے از خود باہر آنے تک انتظار کرلیتے تو اُن کو باوقار اور مہذب گردانا جاتا اور اللہ کو اپنے رسولؐ کی یہ خاطر داری پسند آتی، یہ اُن کے لیے بہتر ہوتا، جو ہوا سو ہوا، اگر یہ لوگ اللہ سے مغفرت طلب کریں، غلطی کا اعادہ نہ کریں اور اصلاح کرلیں تو اللہ معاف فرمانے والا اور رحیم ہے۔اے ایمان والو، اگر کوئی اہم خبر کسی فاسق یا ایسے کسی شخص کی جانب سے آئے جس کا قابلِ اعتبار ہونا مستحکم/خوب معلوم نہ ہو تو تحقیق کرلیا کرو، کہیں ایسا نہ ہو کہ تم غلط اطلاع پاکر جلد بازی سے کسی گروہ کو نادانی میں ناروا نقصان پہنچا بیٹھو اور پھر اپنے کیے پر پچھتاتے پھرو! یہ بات اچھی طرح خیال میں رکھو کہ تمہارے درمیان اللہ کا رسول موجود ہے۔اگر وہ سارے ہی (اکثر) معاملات میں تمہاری بات مان لیا کرے تو تم مشکل میں پڑ جاؤ گے۔لیکن باوجود اِس کے کہ وہ کبھی تمھارے مشورے قبول کرتا ہے اور کبھی نہیں، تمھیں کبھی گراں نہیں گزرتا، اُس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ نے تمہارے دلوں میں ایمان کی محبت بھر دی، اور اپنے رسولؐ کو تمہارے دلوں میں بسا دیا، اور کفر و فسق اور نافرمانی کی کراہیت تمھیں عطا کی۔ایسے تمام لوگ جن کو اللہ کی اس عطا سے حصہ ملا، اللہ کے فضل واحسان سے راہ یاب ہوئے

اہلِ ایمان کو چاہیے کہ اہمیت رکھنے والی اطلاعات کے بارے میں جہاں تک ممکن ہو اور وقت اجازت دیتا ہو دوسرے ذرائع سے تصدیق کریں (confirm) ، اور یہ ضرور دیکھ لینا چاہیے کہ اتنی اہم خبر لانے والا کتنے بھروسے اور اعتماد کا آدمی ہے اور کتنا سمجھ دار ہے۔ کسی کے خلاف کوئی کاروائی معمولی غیر مصدقہ خبروں کی بنیاد پر نہیں ہونی چاہیے۔ اسی اُصول کی بنا پر محدثین نے راویوں کی ثقاہت کے لیے اُن پر جرح اور اُن پر اعتراضات کی تعدیل کا ایک پورا طریقِ کار وضع کیا اور گواہیوں کی قبولیت کے لیے کسی کمزور گواہی کی بنیاد پر کسی کو سزا دینے اور دِین دار ٹھہرانے سے بچانے کے لیے، فقہانے فاسق کی گواہی کو ناقابل قبول قرار دیا اور اس ضمن میں تفصیلی فقہی ضوابط بنائے۔

❁❁❁❁❁

پہلی پانچ آیات میں اللہ اور اُس کے رسولؐ کے حوالے سے کچھ حقوق و آداب کے بارے میں بات کرنے کے بعد اگلی تین آیات (۶-۸) میں خبروں پر کاروائی سے قبل اُن کی تصدیق کی بات ہو گئی، اور اب اگلی دو آیات (۹-۱۰) میں اہلِ ایمان کے دو برسرِپیکار گروہوں کے درمیان انصاف سے صلح صفائی کا حکم دیا گیا ہے۔ غور کرنے کی بات یہ ہے کہ یہ کسی اختیاری نیک کام کا تذکرہ نہیں ہے بلکہ اللہ نے اسے فرض کیا ہے کہ جب بھی مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو اس صورت میں انصاف کے مطابق فیصلہ اور صلح کرا دو نہ کہ بیٹھے اُن کی لڑائی کا تماشا دیکھتے رہو، جس کا ظاہر ہے نتیجہ یہ ہو گا کہ طاقت ور گروہ جیت جائے گا اور اگر وہ ناحق پر ہوا تو مسلمانوں کے درمیان ظلم کا ماحول پروان چڑھے گا اور اگر وہ حق پر بھی ہوا تو ہارنے والے کو اپنے ناحق پر ہونے کا اعتماد حاصل نہیں ہو گا اور وہ طاقت حاصل کر کے دوبارہ فساد کا موقع تلاش کرتا رہے گا۔ اس لیے جب بھی مسلمانوں کے دو گروہوں میں جھگڑا ہو تو، تمام اہل ایمان کو ان کے باہمی معاملات کی اصلاح کے لیے از بس کوشش کر ڈالنی چاہیے۔ فریقین کو لڑائی سے باز رہنے کی تلقین کی جائے۔ انہیں اللہ سے ڈرایا جائے۔ بااثر لوگ فریقین کے جھگڑے کی وجوہات کو معلوم کریں، اُنھیں دور کرنے کے لیے اپنی پوری کوشش کریں اور واضح کریں کہ کون ناحق پر ہے اگر صلح کی تمام کوششیں ناکام ہو جائیں، تو جو حق پر ہو اس کا ساتھ دیں اور زیادتی کرنے والے سے لڑیں۔ صاحبِ تفہیم القرآن کا کہنا ہے کہ "اس لڑائی کا چونکہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے اس لیے یہ واجب ہے اور جہاد کے حکم میں ہے" ایسی صلح ہرگز قابل تعریف کیا قابل قبول نہیں جس میں مظلوم کو دبا کر صلح کی خاطر صلح پر آمادہ کیا جائے اللہ تعالیٰ نے محض لڑائی روکنے کے لیے محض صلح برائے صلح کرا دینے کا حکم نہیں ہے بلکہ عدل و انصاف کے ساتھ معاملہ طے کرانے کا حکم ہے۔

وَ اللّٰهُ عَلِيۡمٌ حَكِيۡمٌ ﴿۸﴾ وَ اِنۡ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ اقۡتَتَلُوۡا فَاَصۡلِحُوۡا بَيۡنَهُمَا ۚ فَاِنۡۢ بَغَتۡ اِحۡدٰىهُمَا عَلَى الۡاُخۡرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِىۡ تَبۡغِىۡ حَتّٰى تَفِىۡٓءَ اِلٰٓى اَمۡرِ اللّٰهِ ۚ فَاِنۡ فَآءَتۡ فَاَصۡلِحُوۡا بَيۡنَهُمَا بِالۡعَدۡلِ وَ اَقۡسِطُوۡا ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الۡمُقۡسِطِيۡنَ ﴿۹﴾ اِنَّمَا الۡمُؤۡمِنُوۡنَ اِخۡوَةٌ فَاَصۡلِحُوۡا بَيۡنَ اَخَوَيۡكُمۡ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمۡ تُرۡحَمُوۡنَ ﴿۱۰﴾ ١٦	اور اللہ علیم و حکیم ہے۔ اور اگر مسلمانوں کے دو گروپ آپس میں لڑ پڑیں تو اُن کے درمیان صلح صفائی کرائیں۔ پھر اگر ان میں سے ایک گروہ دوسرے گروہ پر زیادتی کرے تو زیادتی کرنے والے کے ساتھ قتال کرو یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف پلٹ آئے۔ پھر اگر گروہ پلٹ آئے تو ان کے درمیان عدل کے ساتھ صلح کرادو اور انصاف کرو کہ بے شک اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ مومن تو ایک دوسرے کے بھائی ہیں، لہٰذا اپنے بھائیوں کے درمیان صلح کرادیا کرو۔ اور اللہ سے ڈرتے رہو، امید ہے کہ تم پر رحم کیا جائے گا۔ ع ۱۰

اور اللہ علیم و حکیم ہے کہ کون اُس کی اِس عطا کا طلب گار و حقیقی مستحق ہے۔ اور اگر مسلمانوں کے دو گروپ آپس میں لڑ پڑیں اور قتل و غارت گری کی نوبت آجائے تو لازمی ہے کہ دیگر اہلِ ایمان اُن کے درمیان صلح صفائی کرائیں۔ اس مصالحت کے بعد پھر اگر ان میں سے ایک گروہ دوسرے گروہ پر زیادتی کرے تو زیادتی کرنے والے کے ساتھ قتال کرو، اُسے اللہ کے حکم کی طرف پلٹنے پر مجبور کرو جس کا تعین امت کے صاحبان علم و بصیرت کریں یہاں تک کہ وہ جھک جائے اور اللہ کے حکم کی طرف پلٹ آئے۔ پھر اگر گروہ پلٹ آئے تو ان کے درمیان عدل کے ساتھ صلح کرادو نہ کہ محض دفع شر کے لیے بغیر عدل کے تقاضوں کو پورا کیے ہوئے صلح کراؤ۔ اور انصاف کرو کہ بے شک اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ مومن تو ایک دوسرے کے بھائی ہیں، لہٰذا اپنے بھائیوں کے درمیان صلح کرادیا کرو۔ اور اللہ سے ڈرتے رہو، امید ہے کہ تم پر رحم کیا جائے گا۔ ع

اب اگلی دو آیات مبارکہ (۱۱-۱۲) میں فرمایا گیا کہ مسلمانوں کے لیے چھ کام ایسے ہیں جو قطعاً ممنوع حرام ہیں:

۱. ایک دوسرے کا مذاق اڑانا، [۱۱]	۴. بدگمانیاں کرنا، [۱۲]
۲. ایک دوسرے پر طعن کرنا، [۱۱]	۵. دوسرے کے حالات کی کھوج کرید کرنا، [۱۲]
۳. ایک دوسرے کے برے برے نام رکھنا، [۱۱]	۶. لوگوں کو پیٹھ پیچھے ان کی برائیاں کرنا، [۱۲]

۱. ایک دوسرے کا مذاق اڑانا: [یٰٓاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا یَسۡخَرۡ قَوۡمٌ مِّنۡ قَوۡمٍ]

مذاق اُڑانے کا سادہ سا مطلب یہ ہے کہ کوئی آدمی دوسرے آدمی کے بارے میں اپنی زبان یا کسی محسوس یا غیر محسوس حرکت یا اشارے سے یہ عندیہ دے کہ وہ بے وقوف اور نادان ہے اور اُس کی بات یا حرکت کا انداز ایسا ہو کہ سننے اور دیکھنے والوں کو ہنسی آئے اور جس کا مذاق اُڑایا گیا ہو اُس کی تضحیک و توہین اور دل آزاری ہو، یہ اور بات ہے کہ وہ مجبوراً یا عالی ظرفی سے برداشت کر جائے۔ کسی کے کام پر، لباس پر، اندازِ گفتگو پر، اُس کی تجویز پر توہین و تضحیک و حماقت کا تاثر دینے کے لیے نقل اتارنا، اشارے کرنا، اس طرح مسکرانا کہ گویا بے وقوفی پر ہنسی آرہی ہے یہ تمام باتیں ممنوع ہیں اور مذاق اُڑانے میں شامل ہیں۔

اگر آپس میں بے تکلفانہ تعلقات ہیں اور توہین و تضحیک مقصود نہیں ہے بلکہ مجلسی لطف اندوزی ہے جس سے وہ بھی لطف اندوز ہو جو نشانہ ستم ہے تو یہ مجلسی لطف اندوزی اُسی حد تک روا ہے، جس حد تک خوشی سے برداشت کی جاسکتی ہو اور کرنے والے میں اتنا حوصلہ ہو کہ جوابی حملے میں وہ ناراض نہ ہو، اور جوابی حملہ توہین و تضحیک اور انتقامی نہ ہو بلکہ وہ بھی محض مجلسی لطف اندوزی ہی ہو، ایسا کرنا گویا شاعری کرنا ہے، جو ہر ایک کے بس کی تو بات نہیں ہوتی۔ مجلسی لطف اندوزی کے لیے بڑی دانائی، حسِ مزاح اور خاص افتادِ طبع درکار ہوتی ہے جو ہر ایک کو حاصل نہیں ہوتی۔ مجلسی لطف اندوزی کے لیے مزید دو باتیں درکار ہوتی ہیں اوّل یہ کہ کرنے والے کے اخلاص اور محبت کا نشانہ ستم بننے والے کو یقین کامل ہو اور ثانیاً یہ کہ محفل میں شریک افراد کے نشانہ ستم سے تعلقات اس کے متحمل ہوں کہ اُن کے سامنے لطف اندوزی کی جاسکے۔ اس معاملے میں بڑی نزاکت ہے ذرا سی اونچ نیچ مجلسی لطف اندوزی، ناروا اور دل دکھانے والے مذاق میں تبدیل ہو جاتی ہے اور پھر اگلے کو بار بار معذرت کرنی پڑتی ہے کہ میں نے تو مذاقاً تفریح طبع کے لیے ایسا کیا یا کہا تھا اور سامنے والا ناراض ہی رہتا ہے اور تعلقات خراب ہو جاتے ہیں۔

مذاق اُڑانے سے منع کرتے ہوئے اللہ تبارک و تعالیٰ نے مزید دو باتیں کہیں جو بڑی توجہ چاہتی ہیں۔ یہ تو آسان سی عقلِ سلیم میں آنے والی بات ہے کہ توہین و تضحیک کے لیے مذاق اُڑانا تو کسی بھی اسلامی یا غیر اسلامی تمدن میں ناروا ہے، محض اِس کے ناروا ہونے کی بنیاد مذاق اُڑانے سے منع نہیں کیا جارہا ہے بلکہ اِس بنا پر رک جانے کا مطالبہ کیا جارہا ہے کہ ممکن ہے کہ تم جس کا مذاق اُڑا رہے ہو وہ (اللہ کے نزدیک) تم سے بہتر ہو

[عَسٰٓى اَنۡ يَّكُوۡنُوۡا خَيۡرًا مِّنۡهُمۡ ممکن ہے وہ اُن سے بہتر ہوں]، گویا اب معاملہ محض اُس فرد کو ناراض کرنے کا نہیں رہا بلکہ تم اللہ کے محبوب بندے کا مذاق اُڑا کر اللہ کو ناراض کر رہے ہو۔ جب ذہن و خیال میں یہ بات بس جائے کہ میرے اطراف میں جتنی بھی مخلوق ہے سب ایک اللہ ہی کی پیدا کردہ ہے اور ہر ایک کا براہِ راست اللہ سے ایک تعلق ہے جسے کوئی نہیں جانتا، جب ہم کسی سے بھی کوئی معاملہ کر رہے ہوں اور خصوصاً جھگڑے اور ناراضگی کا تو اس بات کا ضرور خیال کرلیں کہ ہمارے مقابل جو فرد ہے وہ اگر اللہ کو ہم سے زیادہ پسندیدہ اور محبوب ہوگا تو عین ممکن ہے کہ دل دکھانے کی سزا کے علاوہ بھی اللہ کو ناراض کرنے کا ہم سامان کر رہے ہوں۔ اِس بات پر غور کریں کہ اگر آپ کے بھائی بہن، بیٹا، بیٹی یا والدین یا مرشد و لیڈر یا کوئی اور جس سے آپ محبت کا تعلق رکھتے ہیں اُس کو کوئی برا بھلا کہے گا تو یقینی آپ کی دل آزاری ہو گی۔ اسی طرح سوچیں کہ جب آپ معمولی خوانچے والے، سبزی والے یا کسی سیلز پرسن سے بات کر رہے ہوں یا اپنے کسی ڈرائیور یا ملازم سے یا راہ چلتے کسی اجنبی سے تو اُن کی کسی بات پر جو آپ کے خیال میں ناروا ہو [شاید کہ نہ ہو] اپنی ڈانٹ ڈپٹ اور غصہ بھری باتوں سے آپ اُن کی کتنی دل آزاری کر سکتے ہیں یہ خیال کرتے ہوئے کہ ہو سکتا ہے کہ اگلا اللہ کے نزدیک شاید آپ سے کچھ بہتر مقام رکھتا ہو! اِس بات کا یہ مطلب بھی ہر گز نہیں ہے کہ جس فرد کی بدکاریوں، کمینگی اور اللہ سے دشمنی کا آپ کو بخوبی علم ہے، آپ کو اُسے برا بھلا کہنے کا اور اُس کا دل دکھانے کا ٹکٹ مل گیا ہے۔

۲. دوسری بات جو مذاق اُڑانے سے منع کرنے والی آیہ مبارکہ میں قابل توجہ ہے وہ یہ ہے کہ کہا گیا ہے: لَا يَسۡخَرۡ قَوۡمٌ مِّنۡ قَوۡمٍ..........وَلَا نِسَآءٌ مِّنۡ نِّسَآءٍ ترجمہ: نہ مرد دوسرے مردوں کا مذاق اُڑائیں .... ، اور نہ عورتیں دوسری عورتوں کا مذاق اڑائیں۔ بات یہ ہے کہ ایک حقیقی مسلم معاشرے میں یہ بات قابل تصور ہی نہیں کہ نامحرموں کی ایک مخلوط مجلس میں مرد کسی عورت یا عورتوں کا مذاق اڑائیں گے یا عورتیں کسی مرد یا مردوں کا مذاق اڑائیں گی۔ تاہم خاندانی حدود میں شوہر بیوی، ماں بیٹے بہن بھائی، خالہ، چچی، پھوپھیوں اور مامیوں کے درمیان مجلسی گفتگو ہو سکتی ہے، تضحیک اور توہین اور دل آزاری کی بھی وہاں کوئی گنجائش نہیں ہے [۱۱]

۳. **ایک دوسرے پر طعن کرنا:** [وَلَا تَلۡمِزُوۡۤا اَنۡفُسَكُمۡ] مذاق اور طعنے میں فرق یہ ہے کہ مذاق میں اگر تضحیک و توہین ہو تو انداز براہِ راست نہیں ہوتا اور محسوس کرنے والے کے سامنے کہا جا سکتا ہے کہ ہم تو مذاق کر

رہے تھے ناراض نہ ہو، لیکن طعنہ کا اطلاق براہِ راست کچھ یاد دلا کر چوٹیں مارنے، پھبتیاں کسنے، احسان یا نیکی کر کے اس کا ذکر کرنے اور وضاحت سے یا زیر لب یا اشاروں سے کسی کو کسی حوالے سے نشانہ ملامت بنانے پر ہوتا ہے اصل میں لفظ لَمزْ استعمال ہوا ہے جس کے اندر طعن و تشنیع کے علاوہ بھی متعدد دوسرے برے انداز تخاطب اور خطاب شامل ہیں، مثلاً۔ اللہ نے ان کو حرام کر دیا گیا ہے۔ مذاق کے ضمن میں کہی گئی بعض باتیں یہاں بھی توجہ طلب ہیں[۱۱]

۴. ایک دوسرے کے برے برے نام رکھنا: [وَ لَا تَنَابَزُوۡا بِالۡاَلۡقَابِ ؕ بِئۡسَ الِاسۡمُ الۡفُسُوۡقُ بَعۡدَ الۡاِیۡمَانِ] کسی شخص کو ایسے نام سے نہ پکارا جائے یا ایسا لقب نہ دیا جائے جس سے اُس شخص کی تحقیر و تنقیص ہوتی ہو خواہ اُس شخص نے اُس نامناسب نام کو قبول ہی کیوں نہ کر لیا ہو۔ رہا کسی ایسے نام سے پکارنا جس سے پکارا جانے والا شخص چڑتا ہو تو یہ بہت ہی زیادہ بری بات ہے خواہ وہ اُس پر صادق آتا ہو، مثلاً کسی لنگڑے یا اندھے کو لنگڑا یا اندھا کہنا۔ کسی کو اس کے اپنے یا اُس کے ماں یا باپ یا خاندان کے کسی عیب یا نقص کے حوالے سے پکارنا یا کسی علاقے کی نسبت سے بُرائی کے پہلو سے پکارنا۔ اِس حکم کا ایسے ناموں پر اطلاق نہیں ہوتا جو بظاہر نامناسب ہوں مگر وہ ان لوگوں کی پہچان اور تعریف کا ذریعہ بن جائیں اور جن کو پکارا جائے وہ بھی برا نہ مانیں[۱۱]۔

۵. بدگمانیاں کرنا: [یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اجۡتَنِبُوۡا كَثِیۡرًا مِّنَ الظَّنِّ ۫ اِنَّ بَعۡضَ الظَّنِّ اِثۡمٌ] کوئی چوری ہو جائے یا کوئی راز افشا ہو جائے یا اس نوع کی کوئی اور بات، تو ظاہر ہے یہ کام کسی نے کیا ہوگا اور اِس کے لیے کئی نام ذہن میں آ سکتے ہیں، پہلی بات تو یہ کہ بات ذرا سی اور معمولی ہو تو نظر انداز کرنے کی کوشش کی جانی چاہیے جب تک کہ وہ تکرار کے ساتھ بار بار نہ ہو یعنی بہت زیادہ گمان سے بچنا چاہیے۔ تاہم گھر میں یا ادارے میں چوری کی واردات تشویش کی بات ہوتی ہے، چھوٹی چوری بڑی کا پیش خیمہ اور چور کو مزید دلیر بنانے اور اُس کی بدکرداری میں ہمت افزائی کا باعث ہوتی ہے۔ لہذا تفتیش ضروری ہوتی ہے، اور نقصان اگر بڑا ہو تو کوشش یہی ہونی چاہیے کہ جو نام آپ کے ذہن میں آ رہے ہیں اُن پر یقین ہر گز نہ کریں جب تک ثبوت مہیا نہ ہو جائے، نہ ہی اُن پر شبے کا اظہار کریں اور نہ ہی اپنا دل میلا کریں یعنی گمان کی پیروی نہ کریں۔ تاہم تحقیق و تفتیش اور اپنے نقصان کی تلافی کے لیے یا آئندہ اپنی یا اہلِ خانہ یا اپنے ادارے کی حفاظت کی خاطر کچھ کرنا،

کہنا، سننا پڑتا ہے جو بہت اخلاق اور سلیقے سے اور اپنے مخلص عقل و دانش والے اور اللہ سے ڈرنے والے ساتھیوں کے مشورے سے ہونا چاہیے۔ اور آپ کے شبہے یا گمان سے کسی بے گناہ کو نقصان تو در کنار، دل آزاری بھی نہیں ہونی چاہیے۔ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں۔ اور خاص طور اس بات کا ضرور احساس ہونا چاہیے کہ کبھی ضرورتاً گمان کرنا یا شبہ کرنا گناہ نہیں لیکن جس گمان کے لیے آپ کے پاس کوئی ثبوت نہ ہو اور اُس کے نتیجے میں آپ نے کوئی قطعی حکم لگا دیا یا الزام لگا دیا تو پھر اللہ کے یہاں تو آپ کو جواب دہی کرنی ہی ہو گی، اپنے گمان کی بھی چاہے وہ صحیح کیوں نہ نکلے اور غلط ہوا تو گمان کی جواب دہی کے ساتھ اُس کی دل آزاری کی اور اُس کو کوئی سزا دی تو اُس کی سزا بھی بھگتنی ہو گی۔ ہاں آپ کو یہ اختیار ہے کہ گمان کو ظاہر کیے بغیر، الزام لگائے بغیر، ناراض ہوئے بغیر، بدنام کیے بغیر خوب صورتی سے ایسا اہتمام کر لیجیے کہ آپ آئندہ خرابی کا شکار نہ ہوں۔

[۱۲]

۶. دوسرے کے حالات کی کھوج کرید کرنا: [وَّ لَا تَجَسَّسُوْا] یعنی اپنے احباب، رشتہ داروں، پڑوسیوں اور ساتھیوں کے پوشیدہ معاملات کو جاننے کے چکر میں نہ پڑو۔ اُن کے عیب نہ تلاش کرو۔ عام طور پر تجسس درجِ ذیل تین شکلوں میں نمودار ہوتا ہے:

- یہ تجسس خواہ دوسرے کے مال اور کام میں برکت پر محض اپنی حیرانی کو دور کرنے کے لیے کیا جائے
- تجسس بغیر نقصان پہنچانے کے ارادے سے بدگمانی کے اس مفروضے کے تحت کیا جائے کہ اگلا بندہ ضرور کوئی کالا دھندا کر رہا ہے، جس سے اتنا مال اِس کے پاس آ رہا ہے یا کوئی اور سفارش و جگاڑ لگا رہا ہے جس سے اِسے اتنی کامیابیاں ہو رہی ہیں اور ہمیں ضرور معلوم ہونا چاہیے کہ مسئلہ کیا ہے؟
- یا تجسس نقصان پہنچانے کے ارادے سے کیا جائے۔ اگلے بندے کے مال میں برکت یا کامیابیوں کے رستے کو اِس لیے ڈھونڈا جائے کہ اُس رستے کو ہم اپنے لیے نہ کھول سکیں تو کم از کم اُس کے لیے تو بند کروا دیں

اوپر مذکورہ تینوں صورتیں ہر حال میں شرعاً ممنوع ہیں۔ ہاں اگر اُس کی کامیابیوں اور مال سے آپ مستقل مستفیذ ہو رہے ہیں (constant or perpetual beneficiary) اور آپ نہیں جانتے کہ حلال اور معروف ذرائع سے یہ برکت ہو رہی ہے یا حرام اور ممنوع ذرائع سے، تو آپ کا یہ لازمی فرض ہے کہ معروف طریقے سے معلوم کریں نہ کہ جاسوسی کرنے کے طریقے اختیار کریں، شوہر بیوی سے پوچھنے کا حق رکھتا ہے کہ

مال کہاں سے آیا اور بیوی بھی یقینی طور پر اپنے شوہر سے غیر متوقع آمدنی کے ذرائع کی معلومات کر سکتی ہے اسی طرح باپ بیٹے ایک دوسرے سے تاکہ تقوے کی راہ پر پورے خاندان کا چلنا آسان ہو۔ یہ استفسارات کہلائیں گے نہ کہ تجسس۔ اگر یہ معلومات بہم نہیں پہنچائی جاتیں تو کم از کم یہ بتایا جائے کہ کیوں نہیں پہنچائی جا سکتیں اور اگر یہ بھی ممکن نہ ہو اور فائدہ اُٹھانے والے کو محض قسمیں کھا کر ٹرخایا جائے تو اُس کے لیے ضروری ہے کہ وہ استفادہ اُٹھانا بالکل بند کر دے اُس وقت تک کے لیے جب تک کہ معاملہ صاف نہ ہو جائے۔ اس صورت میں اپنی اور اہلِ خانہ کی دنیا اور آخرت کی بھلائی کے لیے شوہر بیوی کی اور باپ اپنی نابالغ اولاد کے لیے مناسب حدود میں تجسس کر سکتا ہے۔

اسلامی حکومت کو بھی یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ جاسوسی کا ایک جال بچھا کے لوگوں کی چھپی ہوئی برائیاں ڈھونڈ ڈھونڈ کر نکالے اور ان پر سزا دے، بلکہ اسے صرف ان برائیوں کے خلاف طاقت استعمال کرنی چاہیے جو ظاہر ہو جائیں۔ اس حوالے سے امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ کا یہ واقعہ ہمیں رہنمائی مہیا کرتا ہے۔

> ایک شب آپ نے ایک شخص کی آواز سنی جو اپنے گھر میں موسیقی اور گانے سے شوق کر رہا تھا۔ آپ نے جھانک کر دیکھا کہ وہاں شراب بھی موجود ہے اور ایک عورت بھی۔ آپ نے پکار کر کہا "اے دشمن خدا، کیا تو نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ تو اللہ کی نافرمانی کرے گا اور اللہ تیرا پردہ فاش نہ کرے گا"؟ اس نے جواب دیا "امیر المومنین جلدی نہ کیجیے۔ اگر میں نے ایک گناہ کیا ہے تو آپ نے تین گناہ کیے ہیں۔ اللہ نے تجسس سے منع کیا تھا اور آپ نے تجسس کیا۔ اللہ نے حکم دیا تھا کہ گھروں میں ان کے دروازوں سے آؤ اور آپ نے ایسا نہ کیا۔ اللہ نے حکم دیا تھا کہ اپنے گھروں کے سوا دوسروں کے گھروں میں اجازت لیے بغیر نہ جاؤ اور آپ میری اجازت کے بغیر میرے گھر میں تشریف لے آئے۔" یہ سن کر عمرؓ اپنی غلطی مان گئے اور اس کے خلاف انہوں نے کوئی کارروائی نہ کی، البتہ اس سے یہ وعدہ لے لیا کہ وہ بھلائی کی راہ اختیار کرے گا۔ (مکارم الاخلاق لابی بکر محمد بن جعفر الخرائطی بحوالہ تفہیم القرآن)۔

اس سے معلوم ہوا کہ افراد ہی کے لیے نہیں خود اسلامی حکومت کے لیے بھی یہ جائز نہیں ہے کہ وہ لوگوں کے راز ٹٹول ٹٹول کر ان کے بدکرداریوں کا پتہ چلائے اور پھر انہیں پکڑے، یا اپنے سیاسی مخالفین کو

بلیک میل کرنے کے لیے اُن کے فون ریکارڈ کرے اور اُن کی سرگرمیوں، مالیات اور تعلقات کی خفیہ مانیٹرنگ کرے۔ تاہم مجرموں تک پہنچنے کے لیے جرائم کا کھوج لگانا حکومت کا کام ہے اُس کے لیے معروف طریقوں اور تکنیک سے حکومت کو کام کرنے کا اختیار ہی نہیں اُس کی ذمہ داری بھی ہے۔[۱۲]

۷. غیبت کرنا: [وَ لَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًاؕ اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ] غیبت کی تعریف یہ ہے کہ " آدمی کسی شخص کی غیر موجودگی میں اس کے متعلق ایسی بات کہے جو اگر اسے معلوم ہو تو اس کو ناگوار گزرے"۔ یہ تعریف خود نبی کریم ﷺ نے بیان کی ہے۔ ابوداؤد کی روایت ہے کہ ماعز بن مالک اسلمی کو جب زنا کے جرم میں رجم کی سزا دے دی گئی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے راہ چلتے ایک صاحب کو اپنے دوسرے ساتھی سے یہ کہتے سن لیا کہ " اس شخص کو دیکھو، اللہ نے اس کا پردہ ڈھانک دیا تھا، مگر اس کے نفس نے اس کا پیچھا نہ چھوڑا جب تک یہ کتے کی موت نہ مار دیا گیا"۔ کچھ دور آگے جا کر راستے میں ایک گدھے کی لاش سڑتی ہوئی نظر آئی۔ رسول اللہ ﷺ رک گئے اور ان دونوں اصحاب کو بلا کر فرمایا " اتریے اور اس گدھے کی لاش تناول فرمایئے " ان دونوں نے عرض کیا یا رسول اللہؐ اسے کون کھائے گا؟ فرمایا: نما نلتما من عِرض اخیکما انفاً اشد من اکل منه۔" ابھی ابھی آپ لوگ اپنے بھائی کی عزت پر جو حرف زنی کر رہے تھے وہ اس گدھے کی لاش کھانے سے بہت زیادہ بری تھی۔ اسی طرح یہ جان لیا جائے کہ پیٹھ پیچھے برائی کا تذکرہ اگر فی الواقع صحیح اور مبنی بر حقیقت ہو تو بھی غیبت ہے اور حرام ہے اور اگر جھوٹ ہے تو غیبت بھی ہے اور بہتان بھی، تاہم رشتہ طے کرتے وقت لڑکی یا لڑکے کے بارے میں واقف کار لوگوں سے معلومات کی جائیں تو اُن کی خرابیوں کو رازداری کے وعدے پر بیان کر دینا غیبت کی تعریف میں نہیں آتا، اسی طرح کوئی آپ کے کسی کے جاننے والے کے بارے میں آپ سے اس لیے معلومات چاہے کہ وہ اُس کے ساتھ کوئی کاروبار یا مالی معاملہ کرنا چاہتا ہے اور آپ سے اُس کی دیانت داری کی تصدیق چاہتا ہے تو آپ کو لازماً سچ بات بتا دینی چاہیے یا کچھ بتانے سے معذرت کر لینی چاہیے، اگر آپ صحیح بات بتاتے ہیں تو وہ غیبت میں شمار نہیں ہو گی۔ محدثین حدیث کے راویوں کے کردار کی جانچ پڑتال کے لیے بیٹھتے تو کہتے آؤ اللہ کی خاطر غیبت کر لیں۔

آیئے اب ہم اِن امور پر جواب تک بیان کر دیے گئے کلام مجید کے متن، ترجمے اور مفہوم کا مطالعہ کر لیں:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَا يَسۡخَرۡ قَوۡمٌ مِّنۡ
قَوۡمٍ عَسٰٓى اَنۡ يَّكُوۡنُوۡا خَيۡرًا مِّنۡهُمۡ وَ لَا
نِسَآءٌ مِّنۡ نِّسَآءٍ عَسٰٓى اَنۡ يَّكُنَّ خَيۡرًا
مِّنۡهُنَّۚ وَ لَا تَلۡمِزُوۡۤا اَنۡفُسَكُمۡ وَ لَا
تَنَابَزُوۡا بِالۡاَلۡقَابِؕ بِئۡسَ الِاسۡمُ
الۡفُسُوۡقُ بَعۡدَ الۡاِيۡمَانِۚ وَمَنۡ لَّمۡ يَتُبۡ
فَاُولٰٓـئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوۡنَ ﴿۱۱﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ
اٰمَنُوا اجۡتَنِبُوۡا كَثِيۡرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ
بَعۡضَ الظَّنِّ اِثۡمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوۡا وَ لَا
يَغۡتَبْ بَّعۡضُكُمۡ بَعۡضًاؕ اَيُحِبُّ اَحَدُكُمۡ
اَنۡ يَّاۡكُلَ لَحۡمَ اَخِيۡهِ مَيۡتًا فَكَرِهۡتُمُوۡهُؕ وَ
اتَّقُوا اللّٰهَؕ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيۡمٌ ﴿۱۲﴾

اے ایمان والو! ، نہ مرد دوسرے مردوں کا مذاق اُڑائیں کہ ممکن ہے وہ اُن سے بہتر ہوں، اور نہ عورتیں دوسری عورتوں کا مذاق اڑائیں، کیا عجب وہ بہتر ہوں۔ اور آپس میں ایک دوسرے پر عیب چینی اور طعنہ زنی نہ کرو۔ اور نہ ہی آپس میں ایک دوسرے کو برے القاب سے پکارو، ایمان لانے کے بعد فسق میں نام وری کیا ہی بری ہے جو لوگ توبہ نہ کریں گے تو وہی ظالم ہیں۔ اے ایمان والو! ، بہت گمان کرنے سے بچو کہ بعض گمان تو گناہ ہوتے ہیں، لوگوں کے معاملات کی ٹوہ میں نہ رہا کرو۔ نہ تم میں سے کوئی ایک دوسرے کی غیبت کرے۔ کیا تم میں سے کوئی اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانا پسند کرتا ہے؟ تم کو تو اس سے گھن آتی ہے اور اللہ سے ڈرو اور اللہ بڑا توبہ قبول کرنے والا اور رحیم ہے۔

اے ایمان والو! خیال رکھنا کہ دل آزاری کا موجب بننے والا مذاق ممنوع ہے پس، ، نہ مرد دوسرے مردوں کا مذاق اُڑائیں کہ ممکن ہے وہ اللہ کے نزدیک اُن سے بہتر ہوں، اور نہ عورتیں دوسری عورتوں کا مذاق اڑائیں، کیا عجب کہ جن کا مذاق اُڑایا جارہا ہو وہ اللہ کے نزدیک مذاق اُڑانے والوں سے بہتر ہوں۔ اور آپس میں ایک دوسرے پر عیب چینی اور طعنہ زنی نہ کرو۔ اور نہ ہی آپس میں ایک دوسرے کو برے القاب سے پکارو، یہ فسق ہے اور ایمان لانے کے بعد فسق میں نام وری کیا ہی بری ہے! اور اہلِ ایمان کے درمیان جو لوگ اِن بیان کیے گئے برے کاموں کی عادتوں کے خوگر ہیں، یہ آیات سننے کے بعد اپنی اصلاح نہ کریں اور توبہ نہ کریں گے تو وہی ظالم ہیں۔ اے ایمان والو! ، بہت زیادہ اور غیر ضروری گمان کرنے سے بچو کہ بعض گمان تو گناہ ہوتے ہیں، بے جا لوگوں کے رازوں اور معاملات کی ٹوہ میں نہ رہا کرو۔ نہ تم میں سے کوئی ایک دوسرے کی غیبت کرے۔ غیبت کرنا تو گویا اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانا ہے، کیا تم میں سے کوئی بھی اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانا پسند کرتا ہے؟ تم کو تو اس سے گھن آتی ہے اور اللہ سے ڈرو اور اب تک جو بھی، جس کسی کی بھی غیبت کی ہو اُس پر اللہ سے معافی چاہو، اللہ بڑا توبہ قبول کرنے والا اور رحیم ہے

اب ہم سورت کے اختتام کی جانب بڑھ رہے ہیں، اہلِ ایمان سے خطاب کے بعد اللہ تعالیٰ پوری نوع انسانی کو خطاب کر کے ایک عالم گیر گمراہی کی اصلاح کی طرف توجہ دلاتے ہیں جو ماضی میں بھی دنیا میں جنگ و جدل کا باعث بنی اور اُس وقت بھی دنیا میں فساد کا موجب تھی جب یہ آیات نازل ہو رہی تھیں اور آج بھی جب یہ سطور قارئین پڑھ رہے ہیں۔ اِن آیات میں توجہ اس بات کی طرف دلائی گئی ہے کہ انسانوں کے درمیان برتری کی بنیاد اُن کا کالا یا گورا ہونا، یا کسی خاص علاقے یا نسلِ انسانی سے تعلق رکھنا نہیں ہے بلکہ انسانوں کے درمیان فضیلت کی اگر کوئی بنیاد ہو سکتی ہے تو وہ صرف تقویٰ اور پرہیز گاری ہے۔ خلاصے کے طور پر دیکھا جا سکتا ہے کہ آیاتِ مبارکہ میں تین باتیں فرمائی گئی ہیں۔

- اوّلاً یہ کہ تم سب کی اصل ایک ہے، ایک ہی مرد اور ایک ہی عورت سے تمہاری پوری نوع وجود میں آئی ہے
- دوئم یہ کہ اپنی اصل کے اعتبار سے ایک ہونے کے باوجود تمہارا قوموں اور قبیلوں میں تقسیم ہو جانا ایک فطری امر تھا
- سوئم یہ کہ انسان اور انسان کے درمیان برتری کی بنیاد اگر کوئی ہے اور ہو سکتی ہے تو وہ صرف تقویٰ اور پرہیز گاری میں آگے نکلنا ہے

اِن آیات کے نزول سے قبل فتح مکہ کے موقع پر جب سیاہ جلد والے، آزاد کردہ غلام، بلال حبشی نے کعبہ کی چھت پر چڑھ کر اذان دی تو اُسے سن کر قریش کو اپنے نسلی تفاخر کے ختم ہو جانے کا، اپنی شکستِ فاش کا یقین آ گیا اور اِس یقین نے اُن کے تکبر کو چکنا چور کر دیا، اللہ نے اپنے نبیؐ کو اسی لیے بھیجا تھا۔ اور قریش نے یہ بھی دیکھا کہ جس کو قتل کرنے کا منصوبہ بنایا تھا، جس کو قتل کرنے اور جس کے شہر کو تباہ و برباد کرنے بدر، اُحد اور خندق میں تین مرتبہ اُنھوں نے چڑھائی کی تھی وہ، فاتح اعظم ﷺ، طواف کعبہ کے بعد کعبے کے دروازے پر رک گیا۔ وہ خطاب کر رہا تھا اور قریش سن رہے تھے:

الحمد للہ الذی اذھب عنکم عیبۃ الجاھلیۃ و تکبرھا۔ یا ایھالناس، الناس رجلان، برٌّ تقی کریمٌ علی اللہ ، و فاجر شقی ھَیِّنٌ علی اللہ ۔ الناس کلھم بنو اٰدم و خلق اللہ اٰدمَ من ترابٍ۔ (ترمذی) اس اللہ کا شکر ہے جس نے تم سے جاہلیت کا عیب اور اس کا تکبر دور کر دیا۔ لوگو، تمام انسان بس دو ہی طبقوں میں ہوتے ہیں۔ ایک، نیک اور پرہیز گار، جو اللہ کی نگاہ میں عزت والا ہے۔ دوسرا فاجر اور شقی، جو اللہ کی نگاہ میں ذلیل ہے۔ و گرنہ سارے انسان آدم کی اولاد ہیں اور اللہ نے آدم کو مٹی سے پیدا کیا تھا۔

آنے والے دنوں میں حجۃ الوداع کے موقع پر آپؐ نے یہی بات دوسرے الفاظ میں فرمائی جنھیں ہم قارئین کے سامنے حجۃ الوداع کے باب میں پیش کر سکیں گے۔

اِس گفتگو کے موقع پر ایک اہم بات ضرور سمجھ لینی چاہیے، وہ یہ کہ بلاشبہ سارے انسان اپنے حقوق اور شرفِ انسانیت میں برابر ضرور ہیں اور لسانی و نسلی اور علاقائی تعلق، رنگ و روپ، دنیاوی مال و دولت اور اقتدار اُن کے درمیان اعلیٰ اور ادنیٰ کا کوئی فرق یا اُن کے شرف انسانیت میں کوئی کمی یا زیادتی پیدا نہیں کرتا۔ اسلام تعلیم اور کاروبار زندگی کے تمام معاملات میں آگے بڑھنے ترقی کرنے اثاثے بنانے کے مواقع کو کسی کے لیے وسیع اور کسی کے لیے محدود نہیں کرتا لیکن آپس کے تعلقات اور شادی بیاہ میں 'کفو' کا خیال رکھنا بہت اہم ہے، اس مقصد کے لیے ہم زبان اور ہم ذوق اور تعلیم و تونگری و ناداری کے لحاظ سے ہم پلہ جوڑ تلاش کرنا مناسب ہوتا ہے، جب تک کہ اللہ کا دین اپنے پھیلاؤ اور قیام کے لیے کسی مختلف چیز کا بوجوہ شدت سے متقاضی نہ ہو۔ بات کو یوں سمجھیے کہ جہاں لڑکے اور لڑکی کے درمیان عمر کا فرق بہت زیادہ ہو تو وہاں رفاقت نبھ جانے کی امید کم ہو سکتی ہے۔ کسی بوڑھے شخص سے کم عمر لڑکی کی شادی یا اس کے برعکس، اسی طرح کسی امیر گھرانے اور انتہائی غریب گھرانے کے درمیان یا پیشوں کے اعتبار سے معزز پیشوں سے وابستہ گھرانوں کی غیر اہم پیشوں سے تعلق رکھنے والے گھرانوں میں شادیاں، اکثر اوقات زوجین میں ذوق اور مزاجوں میں بڑے فرق کی بنا پر کامیاب نہیں رہتیں، اس لیے اسلامی قانون ایسے جوڑ لگانے کو ناپسند کرتا ہے، اس وجہ سے نہیں کہ ایک اعلیٰ ہے اور دوسرا ادنیٰ، بلکہ اس وجہ سے کہ بے جوڑ شادیوں کے ناکام ہو جانے کا زیادہ امکان ہوتا ہے اور اسلام شادیوں کی ناکامی اور طلاق و علیحدگی کو قطعاً ناپسند کرتا ہے۔

یہ بات اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ حقیقتاً کون اعلیٰ درجہ کا انسان ہے اور کون اپنے کردار کے لحاظ سے ادنیٰ درجے کا ہے۔ انسانوں نے ذات پات اور لسانی اور علاقائی بنیادوں پر بطور خود جو اعلیٰ اور ادنیٰ کے معیار بنا رکھے ہیں وہ اللہ کے ہاں چلنے والے نہیں ہیں۔ عین ممکن ہے کہ جس کو دنیا میں علم، دولت، اقتدار یا ذات پات کے اعتبار بہت بلند مرتبہ کا آدمی سمجھا گیا ہو وہ اللہ کے یہاں آخرت میں کمین اور دوزخی قرار پائے اور ہو سکتا ہے کہ جو یہاں بہت حقیر سمجھا گیا ہو، وہ وہاں بڑا اونچا مرتبہ پائے۔ اصل اہمیت دنیا میں کسی کو حاصل عزت و ذلت کی نہیں بلکہ اس ذلت و عزت کی ہے جو اللہ کے پاس کسی کے حصے میں آئے گی۔ اس لیے انسان کو ساری فکر اس امر کی ہونی چاہیے کہ وہ اپنے اندر وہ سیرت و کردار پیدا کرے جو اسے اللہ کی نگاہ میں عزت والا بنا دے۔

اہلِ کتاب اُمتّیں اپنے دورِ زوال میں ایک مرض میں ضرور گرفتار ہوتی ہیں، وہ یہ کہ اُن کے علماء اور شیوخ کلام اللہ کو اپنے من مانے معانی پہناتے ہیں۔ اس بات کو قران مجید نے یہود کے لیے یوں بیان کیا: مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ۔ ہمارے نادانوں نے اگلی آیات سے ایک جملہ پکڑ کر اسی طرح کی خام خیالی میں اپنے آپ کو اور امت کو گرفتار کیا ہے۔ فرمایا گیا

> قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا ۭ قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ۔ ترجمہ: "بدّوؤں نے اعلان کیا کہ ہم ایمان لائے۔ ان کو بتادو کہ تم ایمان نہیں لائے، ہاں یوں کہو کہ ہم نے اطاعت قبول کر لی، ایمان ابھی تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا ہے۔"

جن دیہاتی اور صحرائی بدّوؤں کے بارے میں یہ بات کہی گئی، اپنے حقیقی معنوں میں ایسی ہی تھی، جب فتح مکہ اور تبوک کے بعد سارا حجاز اسلام قبول کر رہا تھا تو حالات کے دباؤ میں آ کر اُنھوں نے بھی اعلان کر دیا کہ 'ہم ایمان لائے، ہم مومن ہیں' تاکہ اسلام اور مسلمانوں کی طاقت ور حکومت واقتدار کے حریف بن کر نہ رہیں بلکہ اسلام اور مسلمانوں سے فوائد حاصل کریں۔

قرآن کے "لَّمْ تُؤْمِنُوْا" یعنی۔ تم ایمان نہیں لائے' کہنے سے قرآن اُن کے قانونی ایمان کی نہیں بلکہ اُس حقیقی ایمان کی نفی کر رہا ہے کہ جس ایمان کے دلوں میں اُتر جانے کے بعد انسانی زندگی یکسر تبدیل ہو جاتی ہے۔ یہ بدو موجودہ دور کے اکثر مسلمانوں کی مانند محض نام کے مسلمان تھے، اُن پر اُن کی حقیقت کو واضح کرنے کے لیے یہ کہا گیا تھا، اُنھیں عمل پر آمادہ کرنے کے لیے کہا گیا تھا نہ کہ اُنھیں خارج از اسلام اور کافر کہنے کے لیے کہا گیا، اُنھیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مانند اسلام کے سچے پیروکار بننے کے لیے کہا گیا جیسا کہ سُوْرَةُ الْبَقَرَة میں اِن دیہاتی اور صحرائی بدّوؤں کی مانند شہر مدینہ میں بسنے والے نفاق کے مارے بڑے دانش ور، مہذب اور نستعلیق شہریوں کے اعلانِ ایمان کی نفی کر کے اُن سے کہا گیا تھا کہ سچے اور مخلص صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مانند اسلام قبول کرو: وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ ....اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ یعنی "لوگوں میں سے کوئی ایسا ہے جو کہتا ہے کہ وہ ایمان لایا اللہ پر اور یومِ آخرت پر، (جان لو) یہ ہر گز مومن نہیں ہیں..... (اِن سے کہا جائے کہ یہ لوگ اس طرح ایمان لائیں جیسا کہ (سچے اور مخلص) لوگ ایمان لائے ہیں۔" قرآن مجید کی اِن آیات سے استدلال کر کے اللہ کے رسول نے کسی پر کفر کے فتوے نہیں لگائے اور نہ ہی کسی کو اُس کے مسلمان ہونے کے ناطے حاصل حقوق سے محروم کیا۔ آیئے آیات مبارکہ دیکھتے ہیں، جس کے بعد گفتگو کا تسلسل جاری رہے گا۔

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ
اُنْثٰى وَ جَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآىِٕلَ
لِتَعَارَفُوْا ؕ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ
اَتْقٰىكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ﴿۱۳﴾ قَالَتِ
الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا ؕ قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَ لٰكِنْ
قُوْلُوْۤا اَسْلَمْنَا وَ لَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ
قُلُوْبِكُمْ ؕ وَ اِنْ تُطِيْعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ لَا
يَلِتْكُمْ مِّنْ اَعْمَالِكُمْ شَيْـًٔا ؕ اِنَّ اللّٰهَ
غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۴﴾ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ
اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَ
جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ فِيْ
سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ﴿۱۵﴾
قُلْ اَتُعَلِّمُوْنَ اللّٰهَ بِدِيْنِكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ
يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَ
اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۱۶﴾ يَمُنُّوْنَ عَلَيْكَ
اَنْ اَسْلَمُوْا ؕ قُلْ لَّا تَمُنُّوْا عَلَيَّ اِسْلَامَكُمْ
بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ اَنْ هَدٰىكُمْ
لِلْاِيْمَانِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۷﴾ اِنَّ اللّٰهَ
يَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ وَ اللّٰهُ
بَصِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۸﴾ ۲۷

لوگو، ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تم کو کنبوں اور قبیلوں میں تقسیم کیا ہے کہ تم ایک دوسرے سے تعارف حاصل کرو۔ اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ اشرف، وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔ بے شک اللہ بڑا ہی علیم و خبیر ہے۔ بدّوؤں نے اعلان کیا کہ ہم ایمان لائے۔ ان کو بتادو کہ تم ایمان نہیں لائے، ہاں یوں کہو کہ ہم نے اطاعت قبول کر لی، ایمان ابھی تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا ہے۔ اور اگر تم اللہ اور اس کے رسولؐ کی فرماں برداری اختیار کر لو تو وہ تمہارے اعمال کے اجر میں کوئی کمی نہ کرے گا۔ بے شک اللہ بخشنے والا اور مہربان ہے۔ حقیقت میں مومن تو وہی ہیں جو اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان لائے پھر شک میں نہیں پڑے اور اپنے مال اور اپنی جانوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا۔ یہی لوگ سچے ہیں۔ اے نبیؐ، ان سے کہو، کیا تم اللہ کو اپنے دین کی اطلاع دے رہے ہو؟ حالاں کہ اللہ زمین اور آسمانوں کی ہر چیز کو جانتا ہے اور وہ ہر چیز سے باخبر ہے۔ یہ لوگ اسلام لانے کا تم پر احسان جتا رہے ہیں۔ کہہ دو کہ اپنے اسلام کا مجھ پر احسان نہ رکھو، بلکہ اگر تم سچے ہو تو جان لو کہ یہ اللہ کا تم پر احسان ہے کہ اُس نے تمہیں ایمان کی توفیق بخشی۔ اللہ زمین اور آسمانوں کے غیوب کا (تمام پوشیدہ باتوں اور چیزوں کا) علم رکھتا ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو وہ سب اللہ دیکھ رہا ہے۔ ۲۷

لوگو، ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ور تم کو کنبوں اور قبیلوں میں تقسیم کیا ہے کہ تم ایک دوسرے کے کنبے اور قبیلے کے حوالے سے تعارف حاصل کرو۔ کوئی قبیلہ یا کوئی ذات پات برتری نہیں رکھتی، سب انسان برابر ہیں۔ اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ اشرف، یعنی بلند مرتبہ وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ پرہیز گار ہے۔ بے شک اللہ بڑا ہی علیم و خبیر ہے۔ مدینے کی اسلامی مملکت کے ہر دن بدن بڑھتے ہوئے اقتدار و اثر کو دیکھ کر نواحِ مدینہ کے گاؤں دیہاتوں میں بسنے والے بدّوؤں نے اپنی اب تک کی سرکشی میں خیر نہ جانی اور اعلان کیا کہ ہم ایمان لائے۔ ان کو بتادو کہ تم ایمان نہیں لائے، ہاں یوں کہو کہ ہم (بدّو لوگ اب) تمھاری مخالفت کی مزید طاقت و ہمت نہیں رکھتے لہذا ہم نے اطاعت قبول کر لی۔ سنو! ایمان ابھی تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا ہے۔ اور اگر تم اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت و فرماں برداری اختیار کر لو تو وہ تمہارے اعمال کے اجر میں کوئی کمی نہ کرے گا۔ بے شک اللہ بخشنے والا اور مہربان ہے۔ حقیقت میں اصلی اور شعوری مومن تو بس وہی ہیں جو اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان لائے پھر کسی بھی شک میں نہیں پڑے اور اپنے مال اور اپنی جانوں سے اعلائے کلمۃ اللہ کی راہ میں کوشش کا حق ادا کرتے ہوئے جہاد کیا۔ یہی لوگ ہیں جو اپنے دعوائے ایمان میں سچے ہیں۔ اے نبیؐ، ان مجبوراً یا مصلحتاً نام نہاد مدعیان ایمان سے کہو، کیا تم دلوں کا حال جاننے والے اللہ کو اپنے دین کی اطلاع دے رہے ہو؟ حالاں کہ اللہ زمین اور آسمانوں کی ہر چیز کو جانتا ہے اور وہ ہر چیز سے باخبر ہے۔ ایمان کا اعلان کر کے یہ لوگ تم سے فوائد، مال اور رعایتیں حاصل کرنے کے لیے اسلام لانے کا تم پر احسان جتا رہے ہیں۔ صاف کہہ دو کہ اپنے مجبوری کے اسلام کا مجھ پر احسان نہ رکھو، بلکہ اگر تم واقعی اپنے دعوائے ایمان میں سچے ہو تو جان لو کہ یہ اللہ کا تم پر احسان ہے کہ اُس نے تمہیں ایمان کی توفیق بخشی۔ اللہ زمین اور آسمانوں کے غیوب کا (تمام پوشیدہ باتوں اور چیزوں کا) علم رکھتا ہے اور جو کچھ تم سوچتے اور کرتے ہو وہ سب اللہ دیکھ رہا ہے۔

زیرِ بحث آیہ: قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰ..... فِیْ قُلُوْبِکُمْ میں اعراب سے مراد تمام بدوی نہیں ہیں اور یہ بھی پیشِ نظر رہے جیسا کہ پہلے وضاحت کی گئی کہ حلق سے نیچے نہ اُترنے والے ظاہری ایمان کے معاملے میں بدّو ہی نہیں نستعلیق شہری بھی بہت زیادہ پیچھے نہیں تھے، چناں چہ ایسی آیات دیہی اور شہری اور قدیم وجدید، سب پر صادق ہیں۔

زیرِ بحث آیت میں فرمایا گیا قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا جس کا بر محل ترجمہ یہی ہے کہ "کہو کہ ہم نے اطاعت قبول کرلی" تاہم دوسرا ترجمہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ "کہو ہم مسلمان ہوگئے ہیں" یہ دوسرا ترجمہ کرکے بعض لوگوں نے اعلان کیا کہ قرآن مجید کی زبان میں "مومن" اور "مسلم" دو مختلف المعانی اصطلاحات ہیں جو دو مختلف گروہوں کے لیے قرآن استعمال کرتا ہے۔ پہلے ایمان کا اعلان کرنے والوں کا تذکرہ ہے جن کے ایمان کا "لَّمْ تُؤْمِنُوْا" کہہ کر انکار کیا گیا اور اُن سے کہا گیا " قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا" یعنی " کہو ہم مسلمان ہوگئے ہیں"۔ بزعم خود کہنے والوں نے نتیجہ یہ نکالا کہ کلمہ گو لوگوں میں دو گروہ ہیں ایک مومنوں کا اور دوسرے وہ جن کا ایمان قابل قبول نہیں، پس جو ہمارے فرقے میں داخل ہے وہ "مومنین" میں سے ہے اور جو نہیں ہے وہ ایمان سے خالی، محض "مسلمان" ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ آیہ مبارکہ میں "لَّمْ تُؤْمِنُوْا" کہہ کر اُنھیں کافر یا خارج از اسلام کا حکم نہیں لگایا گیا ہے اور " قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا" کہہ کر خارج از ایمان لوگوں یا کافروں کو 'مسلمان' کی اصطلاح نہیں عطا کی گئی ہے۔ یہ تین (۳) دعوے کرنا محض خام خیالی ہے۔ تینوں دعووں کے خلاف متعدد آیات پیش کی جاسکتی ہیں۔

- **پہلا دعویٰ:** قرآن کی اصطلاح میں " اسلام" لانے سے مراد ایمان لائے بغیر دباؤ کے تحت اطاعت اختیار کرنا یعنی 'اطاعت بلا ایمان' ہے۔ اگر ایسا ہے تو کیا قرآن ایسا اسلام چاہتا ہے؟ وہ تو فرماتا ہے: اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ (سُوْرَۃُ اٰلِ عِمْرٰن ۱۹) یقیناً اللہ کے نزدیک دین صرف اسلام ہے۔
- **دوسرا دعویٰ:** قرآن کی اصطلاح میں "مسلم (یا مسلمان)" قرآن کی زبان میں محض ظاہری طور پر منافقانہ اسلام قبول کرلینے والے کو کہتے ہیں۔ اگر ایسا ہے تو کیا ہم ابراہیم علیہ السلام کو مسلم کہہ سکتے ہیں؟ قرآن فرماتا ہے: مَا کَانَ اِبْرٰھِیْمُ یَھُوْدِیًّا وَّ لَا نَصْرَانِیًّا وَّ لٰکِنْ کَانَ حَنِیْفًا مُّسْلِمًا۔ (سُوْرَۃُ اٰلِ عِمْرٰن۔ ٦٧) ابراہیمؑ نہ یہودی تھا نہ نصرانی، بلکہ وہ یک سُو مسلم تھا۔
- **تیسرا دعویٰ:** ایمان اور مومن کے الفاظ قرآن مجید میں لازماً سچے دل سے ماننے ہی کے معانی میں استعمال ہوئے ہیں۔ اگر ایسا ہے تو یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا۔ کہہ کر جہاد سے جی چرانے والے منافقین کو کیوں خطاب کیا گیا: یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ۝ اے ایمان والو، وہ کہتے کیوں ہو جو کرتے نہیں!